ڈاکٹر علی کمیل قزلباش
مدیر، سہ ماہی ''پیغام آشنا''، اسلام آباد

خواجہ فریدالدین عطار کی مثنوی: منطق الطیر: کی سات وادیوں کا سفر

Other than Khwaja Fariduddin Attar's prosaic masterpiece Tazkira-e Auliya, his corpus consists entirely of poetry including the masnavis Mantiqut Tair, Ilahinama, Museebatnama and Asrarnama, which are undoubtedly his own works. Pandnama has been verified to a large extent to be his own works. However, Khusronama, Ashtarnama and JauharuzZaat are seen with some skepticism when compared to other masnavis owing to differences in subjects and style. Researchers state that Mazhar al Aja'ib, LisaanulGhaib, Kanz al Asrar, MiftahulFutooh and Wasiyyatnama came to be associated with Attar after the passage of a long time. In addition to these works, Attar's divan comprises of ghazals and qasidas survive as well as a collection of rubai'iyat.

The MantiqutTair is a masnavi composed of approximately 4200 couplets known as Hamasa Irfani, that are among the best known Farsi masterpieces, and where Attar describes stages of gnosis and mysticism through the language of birds. Attar's birds convene to discuss their desire for a king or chieftain and decide to set out in his search. Among them, the wordly-wise woodpecker proclaims that Simorgh is their King and lives in Koh-e-Qaaf, where they can only reach through traversing seven valleys or stations whose journey brings both peril and sorrow. The valleys are (1) Search, (2) Love, (3) Knowledge, (4) Unity, (5) Contentment, (6) Wonderment, and (7) Poverty and Nothingness.

Influences of classic Farsi literature are visible in this masnavi, including Haft Khwan Rustam, Simorgh or Koh-e-Qaf, also seen in IbneSina and Sheikh Ashraq Shahabud Din Suhrwardi's work. The outline of Mantiqut Tair seems to be inspired by the symbolic epic taken from Mehmood and Ahmad Ghazali. Whereas the Quran's obvious influence is evident in the form of Solomon's story which mentions the woodpecker's significant role and where Solomon himself spoke the language of birds. Mantiqut Tair as a title itself comes from the Quranic verse 27:16.

This paper provides a brief overview of the journey through seven valleys of love and gnosis described by Attar in this masnavi.

Keywords: gnosis; love; mysticism; woodpecker; Koh-e-Qaaf; Simorgh.

خلاصہ:

خواجہ فرید الدین عطار کے آثار میں ان کے نثری شاہکار تذکرہ اولیاء کے علاوہ باقی تمام شعری تصانیف ہیں جن میں ان کی مثنویاں منطق الطیر' الٰہی نامہ' مصیبت نامہ اور اسرار نامہ شامل ہیں جو بلاکسی شک وشبہ کے عطار ہی کی ہیں جبکہ ''پند نامہ'' کی بھی بہت حد تک تصدیق ہوئی ہے لیکن خسرو نامہ' اشتر نامہ' جوہر الذات' کو عطار کی دیگر مثنویوں کے برابر مضامین اور اسلوب کے فرق کی وجہ سے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ مظہر العجائب' لسان الغیب' کنز الاسرار' مفتاح الفتوح اور وصیت نامہ کے بارے میں اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ مدتوں بعد ان سے منسوب کی جاچکی ہیں۔ ان کے علاوہ عطار کا قصیدہ اور غزل پر مشتمل دیوان بھی موجود ہے اور ایک مجموعہ رباعیات بھی ''مختار نامہ'' کے نام سے عطار کا عطیہ ہے۔

منطق الطیر تقریباً ۴۶۰۰ اشعار پر مشتمل مثنوی ہے جسے ''حماسہ عرفانی'' کا نام دیا گیا ہے یہ فارسی کے معروف ترین شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ جس میں عطار پرندوں کی زبانی عرفان وتصوف کے مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جس میں پرندے آپس میں بیٹھ کر اپنے بادشاہ یا سردار کی طلب پر گفتگو کرتے ہیں اور بالآخر طے پاتا ہے کہ اس بادشاہ کی تلاش میں نکلا جائے۔ بادشاہ کا پتہ ''ھدھد'' بتاتا ہے جو کہ ایک جہان دیدہ پرندہ ہے اور کہتا ہے کہ ہم سب کا بادشاہ ''سیمرغ'' ہے جو کوہ قاف میں سکونت پذیر ہے اور ان تک پہنچنے کیلئے ہمیں سات وادیوں یا سات مقامات سے ہوکر جانا ہوگا جہاں راستے میں ہر طرح کے مصائب وآلام کا سامنا ہوگا۔ اور ان سات وادیوں کی ترتیب یوں ہے۔ (۱) طلب (۲) عشق (۳) معرفت (۴) استغناء (۵) توحید (۶) حیرت (۷) فقر وغنا۔

اس مثنوی فارسی ادب کی اساطیر کے اثرات بھی نظر آتے ہیں جیسے 'ہفت خواں رستم'' یا ''سیمرغ اور کوہ قاف'' جو ہمیں ابن سینا اور شیخ اشراق شہاب الدین سہروردی کے ہاں بھی نظر آتے ہیں جبکہ منطق الطیر کا خاکہ اس علامتی قصے سے ماخوذ لگتا ہے جو محمود اور احمد غزالی سے روایت کیا جاچکا ہے جبکہ قرآن کا بھی واضح اثر حضرت سلیمان کے قصے کی شکل میں نظر آتا ہے جہاں ھد ھد کا کردار اہم تھا اور حضرت سلیمان پرندوں کی بولی جانتے تھے' جبکہ خود منطق الطیر قرآن کے (سورہ ۲۷/۱۶) سے اقتباس شدہ ہے۔ اس مقالے میں عطار کی اس مثنوی میں شامل عشق وعرفان کی سات وادیوں کے سفر کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

کلیدی الفاظ: عرفان، عشق، تصوف، ھد ھد، کوہ قاف، سیمرغ۔

هفت شهر عشق را عطار گشت

ماهنوز هم در خم يك كوچه ايم

عشق کے وہ کون سے سات شہر ہیں جس کے سر کرنے کی حسرت رومی جیسی ہستی کو بھی رہی اور عطار نے اس سات شہروں یا وادیوں سے گزر بھی گیا۔ ان سات وادیوں کی سیر کرنے کیلئے ہمیں عطار کی معروف ترین کتاب ''منطق الطیر'' کی سیر کرنی ہوگی۔ جو کہ مرحلہ وار ان سات وادیوں سے سالک کو گزارتی ہے۔ ویسے تو عطار کی تمام کتابیں اپنی جگہ

بہت اہم ہیں خسرو نامہ کے علاوہ تمام کی تمام عشق و عرفان (تصوف) کے حوالے سے ہیں لیکن منطق الطیر کا بیان اور چاشنی کچھ اور ہے۔ اگرچہ ''تذکرۃ اولیاء'' کا اپنا لطف ہے لیکن وہ نثر میں ہے۔

عطار کا نام محمد اور لقب فرید الدین تھا اور آباء و اجداد کے پیشہ عطاری سے منسلک تھے (یہاں عطاری سے مراد طلب) ان کی ولادت و شہادت کی تاریخوں میں بہت اختلاف ہے کچھ ایسی تاریخیں ہیں جن سے ان کی عمر ۱۱۴ سال تک پہنچتی ہے لیکن قدرے مستند اور بہتر تاریخ پیدائش ۵۴۰ ھ کہلاتی ہے لیکن مقام پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں' نیشاور کا ایک قصبہ ''کدکن'' ہے اس طرح ان کی تصانیف کی تعداد میں بھی اختلاف ہے جبکہ عطار کے تصوف کی جانب مائل ہونے اور ان کی موت کو بھی گوناگوں واقعات سے منسلک کیا جاچکا ہے یہاں ہم ان مباحث میں پڑے بغیر عطار کے ایک مختصر تعارفی خاکے کے بعد منطق الطیر کی جانب جاکر عطار کی ان سات وادیوں کی سیر پر نکلیں گے جس کی طلب ہر صوفی و سالک کو رہی ہے۔ عطار اپنے وقت کے معروف طبیب تھے۔ (باکاروان حلۂ ۱۳۷۴' ۶۷)

وہ خود کہتے ہیں کہ:

به دار و خانه پانصد شخص بودند

که در هر روز نبضم می نمودند

(منطق الطیر'۱۳۶۹' ۷)

یعنی میرے داروخانہ میں روز پانچ سو افراد آتے اور مجھے اپنا نبض دکھاتے تھے۔

عطار کے آثار میں ان کے نثری شاہکار تذکرہ اولیاء کے علاوہ باقی تمام شعری تصانیف ہیں جن میں ان کی مثنویاں منطق الطیر' الٰہی نامہ' مصیبت نامہ اور اسرار نامہ شامل ہیں جو بلاکسی شک و شبہ کے عطار ہی کی ہیں جبکہ ''پند نامہ'' کی بھی بہت حد تک تصدیق ہوئی ہے لیکن خسرو نامہ' اشتر نامہ' جوہر الذات' کو عطار کی دیگر مثنویوں کے برابر مضامین اور اسلوب کے فرق کی وجہ سے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ مظہر العجائب' لسان الغیب' کنز الاسرار' مفتاح الفتوح اور وصیت نامہ کے بارے میں اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ مدتوں بعد ان سے منسوب کی جاچکی ہیں۔ بہر حال اس بحث کو کسی دوسری فرصت کیلئے چھوڑتے ہیں ان کے علاوہ عطار کا قصیدہ اور غزل پر مشتمل دیوان بھی موجود ہے اور ایک مجموعہ رباعیات بھی ''مختار نامہ'' کے نام سے عطار کا عطیہ ہے۔ (شعر صوفیانہ فارسی' ۱۳۷۸' ۱۱۹)

عطار کی مثنویوں کا انداز بیان قصص و حکایات پر استوار ہے جن میں موضوعات اور عنوانات کا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن منطق الطیر کی جانب مڑنے سے پہلے ایک آدھ افسانوی قصے جو عطار کی زندگی سے منسوب ہیں۔

کہتے ہیں کہ عطار اپنے دوا خانے میں علاج و معالجہ کے کام میں مصروف تھا کہ اس دوران ایک فقیر داخل ہوا لیکن عطار نے بے اعتنائی برتے ہوئے اس کو توجہ نہیں دی تو فقیر نے پوچھا: تم کس طرح جان عزرائیل کے حوالے کرو گے؟

عطار نے جواباً پوچھا: تم کس طرح جاں دو گے؟

فقیر کے ہاتھ میں گدائی کا جو کاسہ تھا اسے سر کے نیچے رکھ کر رو بہ قبلہ ہوکر کہا :اس طرح! اور جان دے بیٹھا۔ (باکاروان حلۂ ۱۳۷۴، ۴۸)

یہی لمحہ تھا کہ عطار کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی اور اپنی متاع، فقیروں اور محتاجوں کے حوالے کرنے کے احکامات جاری کرتے ہیں اور خود خانقاہ رکن الدین اکاف میں جا پہنچتے ہیں۔

جبکہ ان کی موت کے واقعہ کو دولت شاہ سمرقندی وغیرہ یوں بیان کرتے ہیں کہ نیشابور میں مغلوں (چنگیز خان) کے قتل عام کے دوران ایک سپاہی عطار کو گرفتار کئے لے جارہا ہوتا ہے کہ راستہ میں ان کا ایک مرید انہیں پہچاننے کے بعد سپاہی کو رقم کی پیشکش کرکے بدلے میں عطار کو طلب کرتا ہے، لیکن عطار فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ میری قیمت یہ نہیں ہے۔ سپاہی عطار کو لے کر آگے بڑھتا ہے اور کچھ فاصلے پر ایک اور شخص بھی عطار کو پہچان کر سپاہی کو رقم کی پیشکش کرتا ہے لیکن عطار دوبارہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ''میری قیمت یہ نہیں ہے'' سپاہی پھر آگے بڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک دیہاتی گدھے پر گھاس پھونس یا بھوسا لادے آرہا ہوتا ہے عطار کو پہچان کر سپاہی سے ان کی رہائی کی درخواست کرتا ہے سپاہی بدلے میں مال طلب کرتا ہے تو دیہاتی کہتا ہے کہ گھاس کا یہ بستہ دوں گا۔ تو عطار فوراً سپاہی کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ ''بیچ ڈالو کہ میری قیمت یہی ہے! سپاہی طیش میں آکر تلوار کے وار سے عطار کی گردن اڑاتا ہے۔ تو اسی لمحے عطار اپنا سر مٹی سے اٹھاتے ہوئے گردن پر رکھ کر چند شعر کہتا ہوا چل پڑتا ہے۔ جب وہ منظومہ ''بی سر نامہ'' ختم ہوتا ہے تو عطار گر کر جان دے بیٹھتا ہے'' (شعر صوفیانہ فارسی، ۱۳۷۸، ۳۳)

اگرچہ ان واقعات پر زیادہ تکیہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہاں صوفیا کی اختیاری موت اور زندگی کی ایک طویل فہرست اور تاریخ کی جانب دھیان چلا جاتا ہے۔ عطار کی شہادت یا موت کی نسبتاً درست تاریخ ۶۱۸ ہجری بتائی جاتی ہے۔

منطق الطیر تقریباً ۴۶۰۰ اشعار پر مشتمل مثنوی ہے جسے ''حماسہ عرفانی'' کا نام دیا گیا ہے یہ فارسی کے معروف ترین شاہکاروں میں سے ایک ہے۔ جس میں عطار پرندوں کی زبانی عرفان و تصوف کے مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جس میں پرندے آپس میں بیٹھ کر اپنے بادشاہ یا سردار کی طلب پر گفتگو کرتے ہیں اور بالآخر طے پاتا ہے کہ اس بادشاہ کی تلاش میں نکلا جائے۔ بادشاہ کا پتہ ''ھدھد'' بتاتا ہے جو کہ ایک جہان دیدہ پرندہ ہے اور کہتا ہے کہ ہم سب کا بادشاہ ''سیمرغ'' ہے جو کوہ قاف میں سکونت پذیر ہے اور ان تک پہنچنے کیلئے ہمیں سات وادیوں یا سات مقامات سے ہوکر جانا ہوگا جہاں راستے میں ہر طرح کے مصائب و آلام کا سامنا ہوگا۔ اور ان سات وادیوں کی ترتیب یوں ہے۔ (۱) طلب (۲) عشق (۳) معرفت (۴) استغناء (۵) توحید (۶) حیرت (۷) فقر و غنا۔ (منطق الطیر، ۱۳۸۱، ۱۲)

ان مراحل کا ذکر صوفیاء کی دیگر کتابوں میں آتا ہے لیکن کہیں کہیں ذرا مختلف ہے۔

جبکہ اس مثنوی فارسی ادب کی اساطیر کے اثرات بھی نظر آتے ہیں جیسے 'ہفت خواں رستم'' یا ''سیمرغ اور کوہ قاف'' جو ہمیں ابن سینا اور شیخ اشراق شہاب الدین سہروردی کے ہاں بھی نظر آتے ہیں جبکہ منطق الطیر کا خاکہ اس علامتی قصے سے ماخوذ لگتا ہے جو محمود اور احمد غزالی سے روایت کیا جاچکا ہے جبکہ قرآن کا بھی واضح اثر حضرت سلیمان کے قصے کی شکل

میں نظر آتا ہے جہاں ھد ھد کا کردار اہم تھا اور حضرت سلیمان پرندوں کی بولی جانتے تھے؛ جبکہ خود منطق الطیر قرآن کے (سورہ ۲۷/۱۶) سے اقتباس شدہ ہے ۔ (فرہنگ کاربرد آیات و روایات در اشعار عطار نیشابوری؛ ۱۳۷۳؛ ۶۱)

کوہ قاف کو پہلے کوہ البرز کہا جاتا تھا اس پہاڑ نے پورے عالم کا احاطہ کر رکھا ہے اور زمرد سے بنا ہے آسمان کی رنگت اسی سے منعکس ہے ۔ اس پہاڑ میں چاند؛ سورج اور ستارے نہیں ہیں ۔ان خصوصیات کی بناء پر اسے نویں آسمان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ نویں آسمان نے بھی سارے عالم محسوس کا احاطہ کر رکھا ہے اور دیگر آسمانوں کے مقابلے میں وہاں بھی ستارے نہیں ہیں۔ سہروردی کوہ قاف کو یوں پیش کرتے ہیں کہ ''کوہ قاف جہاں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور گیارہ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جب تم (سالک) بند سے رہائی پاؤ گے تو وہاں پہنچوگے کیونکہ تم وہیں سے لائے گئے ہو.....'' (رمز و داستانہای رمزی در ادب فارسی؛ ۱۳۷۵؛ ۲۰۴)

کوہ قاف کے اس انتہائی مختصر وضاحت کے بعد سیمرغ کو بھی اجمالی طور پر دیکھتے ہیں کہ کیا شے ہے۔

سیمرغ ایک اساطیری کردار ہے جو اوستا؛ شاہنامہ فردوسی اور رسالۃ الطیر غزالی کے بعد عرفانی ادب میں راہ پاتا ہے جبکہ غزالی اور نصر اللہ مجلسی نے عربی سے ترجموی میں ''ھما'' کو سیمرغ لکھا ہے ۔ یہ پرندہ مابعد الطبیعی صفات و کیفیات رکھنے کے باعث عالم کی بالاترین اور بلند ترین قوت گردانا جاتا ہے سہروردی کے بقول وہ عالم افلاک میں خلیفہ خدا ہے۔ اور دوسرے پرندے بھی مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعے خود کو اس کے مرتبہ تک پہنچا سکتے ہیں۔ شاہنامہ کے مطابق اس کا آشیاں کوہ قاف کے ایک درخت پر ہے ۔(رمز و داستانہای رمزی در ادب فارسی؛ ۱۳۷۵؛ ۱۸۸)

ہم منطق الطیر کی ہفت وادیوں کے سیر کا ذکر کر رہے تھے جہاں ھد ھد کی تقریر کے بعد اکثر پرندے سفر کی صعوبتوں اور سختیوں کا ذکر سن کر اس سفر سے دستبردار ہوجاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر بیٹھتے ہیں ھد ھد ایک ایک کو قائل کرتے ہوئے تیار کرتا ہے اور یوں لاکھوں پرندوں کا قافلہ تشکیل پاتا ہے لیکن یہاں سے سیمرغ تک کا سفر کس کی رہبری میں طے ہوا اس سوال کے حل کے لئے قرعہ اندازی کی جاتی ہے اور قرعہ فال ھد ھد کے نام نکل آتا ہے جو انسان کے اس قرعہ سے بے حد مشابہت رکھتا ہے جس کا ذکر قرآن میں صریحاً آیا ہے جس کے بارے میں حافظ یوں فرماتے ہیں کہ:

آسمان بار امانت نتوانست کشید

قرعہ ء فال بنام من دیوانہ زدند

اور پھر یہ قافلہ سیمرغ کی جانب عازم سفر ہوجاتا ہے۔ لیکن سفر ہے کہ کٹتا ہی نہیں؛ جتنا جتنا سفر طے ہوتا ہے مشکلات بڑھتی جاتی ہیں؛ پرندے سیمرغ سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ ابھی تو اول سفر ہے چلتے چلتے پرندوں کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور ان کے دل میں خوف و ناامیدی پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ ابھی سیمرغ کی کوئی خبر نہیں تھی۔

راه مـی دیـدنـد پـایـان نـا پـدید
درد مـی دیـدنـد درمـان نـاپـدید
چـون بتـرسیـدنـد آن مـرغـان ز راه
جـمـع گشتـنـد آن همـه یك جـایـگـاه

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۴۵)

یعنی انہوں نے جب راستے کے اختتام کے آثار نہیں دیکھے تو اکھٹے ہوکر ہد ہد کو کہا کہ ذرا ہمارے حوصلہ بڑھانے کیلئے تقریر کرو۔ ہدہد نے کسی بھی اچھے برے مرحلے کو چپائے بغیر ایک دلپذیر گفتگو کی اور

گـفـت مـارا هـفـت وادی در ره اسـت
چـون گـذشتـی هـفت وادی، در گه است
وانیـامـد در جهـان زیـن راه، کـس
نیسـت از فـرسـنگ آن آگـاه کـس

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۶۷)

یعنی ہمیں سات وادیوں کا سامنا ہے ان سے گزرنے کے بعد سیمرغ کی درگاہ ہے۔ لیکن کسی کو بھی ان راستوں کے مراحل اور فاصلوں کی خبر نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بھی کبھی وہاں سے لوٹ کر نہیں آیا جو احوال بتاتا۔

لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ اس وادی میں بلائیں بہت ہیں۔ طوفانی سمندروں اور شعلے بھڑکاتے صحراؤں سے سامنا ہوگا جس میں بھوک پیاس، گرمی سردی، یعنی ہر طرح کے رنج سہنے ہوں گے۔ بے شمار ایسے ہیں جو ان وادیوں میں کھو چکے ہیں اور ان کی خبر تک نہیں (یہ اپنی جگہ ایک عرفانی بحث ہے جس کی تفصیل میں یہاں نہیں جایا جاسکتا) اس کے بعد ہدہد ان سات وادیوں کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے

پہلی وادی

چـون فـرو آئـی بـه وادی ء طـلـب
پیشـت آیـد هـر زمـانی صـد تـعـب
صـد بـلا در هـر نـفـس ایـن جـا بـود
طـوطـی گـردون مـگـس ایـنجـا بود
مـلك ایـنـجـا بـایـدت انـداختـن
مـلك ایـنـجـا بـایـدت در بـاختـن

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۸۲)

طلب تصوف میں پہلا گام اور وہ کیفیت جو سالک کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اسے معرفت کی جستجو پر اکساتی ہے جبکہ مندرجہ بالا اشعار میں ھد ھد کہتا ہے کہ جب تو طلب کی وادی میں اتر آئے تو ہر لمحے تیرا سامنا مشکلات اور سوطرح کی بلاؤں سے ہوگا یہاں پر ملک و مال سے دستبرداری اولین شرط ہے۔

دوسری وادی:۔

بعد ازین وادی عشق آید پدید
غرق آتش شد کسی کانجا رسید
عاشق آن باشد که چون آتش بود
گرم رو' سوزنده و سرکش بود
عاقبت اندیش نبود یك زمان
در کشد خوش خوش برآتش صد جهان

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۹۳)

اس کے بعد عشق کی وادی آئے گی جہاں پہنچ کر آگ میں یوں مستغرق ہونا پڑتا ہے کہ سالک بذات خود گرم رو' جلا دینے والا اور سرکش (آلایش دینوی کے مقابلے میں) ہوگا اور کسی بھی خطرے انجان و نتیجے کی پرواہ کئے بغیر اپنا سب کچھ پھونک ڈالے گا۔

تیسری وادی:۔

بعد ازان بنمایدت پیش نظر
معرفت را' وادی بے پا و سر
چون بتابد آفتاب معرفت
از سپهر این ره عالی صفت
هر یکی بینا شود بر قدر خویش
باز باید در حقیقت صدر خویش

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۱۰۶)

اس کے بعد تمہاری آنکھوں کے آگے ایک نئی بے سروپا وادی ہوگی جسے معرفت کہتے ہیں وہاں آگاہی اور شناخت کے سورج کے طلوع کے ساتھ سالک ایک حقیقی بینائی پا جائے گا۔ اور اپنی پہچان کی صلاحیت سے روشناس ہوگا اور اس کے بعد

چوتھی وادی:۔

بعد ازین وادی استغنا بود

نہ درودعویٰ و نہ معنا بود

هشت جنت نیز اینجا مرده ایست

هفت دوزخ همچو یخ افسرده ایست

گردرین دریا هزاران جان فتاد

شبنمی در بحر بے پایان فتاد

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۱۲۰)

اس کے بعد بے نیازی کی وہ وادی آئے گی جہاں کوئی ''منی'' اور ''توئی'' کے دعویدار نہیں ہوں گے' نہ ہی جنت اور دوزخ کے سود و زیاں کا حرص و طمع کا شائبہ ہوگا اور جو یہاں پہنچے گا وہ اپنے آپ کو سمندر میں قطرے سے زیادہ محسوس نہیں کرے گا یعنی ایک ایسی بے نیازی کہ جس میں سالک کی اپنی ذات کو ہدف بنایا جائے گا۔

پانچویں وادی:۔

بعد ازین وادی توحید آیدت

منزل تفرید و تجرید آیدت

روی ها چون زین بیابان در کنند

جمله سر از یك گریبان بر کنند

گر بسی بینی عدد کراند کی

آن یکی باشد در این ره در یکی

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۱۳۹)

اس کے بعد توحید کی وادی کا سفر درپیش ہوگا جہاں تفرید و تجرید اصل ہوں گے ۔تفرید وہ صوفیانہ اصطلاح ہے جہاں یگانگت آتی ہے اور حق تحقق کی تلاش کی محنت درپیش ہوتی ہے اور یوں' جیسے حق سالک کے عین قویٰ میں ڈھل جائے۔ جبکہ ''تجرید'' صوفیاء کی اصطلاح میں قلب سالک کا غیر خدا سے یکسر خالی ہونے کا مرحلہ ہے۔ اس بیابان کا سفر طے کرنے کے بعد کثرت وحدت میں بدل جائے گی۔ اعداد جتنے بھی ہوں وہ سب ایک ہی نظر آئیں گے۔

چھٹی وادی:۔

بعد ازین وادی حیرت آیدت
کار دائم درد و حسرت آیدت
مرد حیران چون رسد این جایگاه
در تحیر ماندہ و گم کردہ را
ہر چہ زد توحید برجانش رقم
جملہ گم گردد ازو گم نیرہم

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۱۵۵)

حیرت صوفیاء کی اصطلاح میں وہ مرحلہ ہے جب عرفا کے قلوب پر حضور وتفکر کی حالت منکشف ہوتی ہے اور وہ اس وادی میں اتر کر ایک گم کردہ راہ کی مانند سب کچھ میں تحیر دیکھتا ہے۔ اور راہ بھٹکوں کی طرح سرگردان و حیران اپنے داخل کی وادی میں پھرتا ہے، اور توحید سے جو بھی اس پر اترے گا وہ آن ہی میں اس کی حیرت کا لقمہ ہوکر گم درگم والی کیفیت بناتا رہے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک خود کی نفی کا سودا لے کر بیٹھ جاتا ہے اور خود کو کہیں نہیں پاتا جز حق کے، اور منصور بن حلاج والے انکشافات جانب بڑھنے لگتا ہے اگرچہ ایک نہ ہونے کا درد بھی کھائے جاتا ہے۔

ساتویں وادی:۔

بعد ازین وادی فقر است و فنا
کئی بود اینجا سخن گفتن روا
عین' وادی فراموشی بود
لنگی و کری و بی ہوشی بود
صد ہزاران سایہ ء جاوید تو
گم شدہ بینی ز یك خورشید تو

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۱۶۳)

اب ھد ھد انہیں منزل کا نشان بتانے لگتا ہے یعنی اس کے بعد آخری وادی فقر و فنا کی وادی آپہنچے گی، جو نزدیک تر اصطلاحین ہیں فنا تو واضح ہے یعنی اوصاف مذمومہ کی نابودی، لیکن فقر سے بات مزید واضح ہوجاتی ہے جو صوفیاء کے نزد اسی ''فنا فی اللہ'' والے مرحلے کی اصطلاح ہے یعنی سالک ظاہری ہستی سے نیستی کی جانب جاتا ہے وہ اپنی ذاتی صفات سے باہر نکل آتا ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے جہاں پیر کامل یا مرد کامل کی اصطلاح نظر آتی ہے۔ عطار یہ بات ھد ھد کی زبانی

دھراتا ہے کہ اس وادی میں بولنا منع ہے (کیونکہ بولنے ''میں'' کی علامت ہے) یہ خود فراموشی کی وادی ہے بہ اصطلاح یہاں بے چارگی و بے بسی (ظاہری و مادی و فردی وجود کی) ہی اصل سالک ہے۔ یہاں لاکھوں جانوں کی فنایوں ہوگی جیسے سورج کی روشنی میں سایوں کی نابودی۔ اور جوہوگا وہ وہی ایک وہی اصل وہی ''ہو''۔

ان تمام مراحل سے گزرتے گزرتے ان لاکھوں پرندوں میں سے ہر وادی پر کچھ نہ کچھ پرندے بھٹکتے' پلٹتے' مرتے اور پشیمان ہوتے نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے ہر آنے والی وادی میں تعداد کم ہوجاتی ہے۔ اور پھر

از همه مرغ اندکی آنجا رسید

از هزاران کس یکی آنجا رسید

(منطق الطیر'۱۳۶۹' ۱۶۸)

بالآخر کیا دیکھتے ہیں کہ صرف چند تھکے ماندے بے بال و پر او رنجور پرندے کوہ قاف تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں سوائے خیرہ کرنے والی روشنی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پرندے آس پاس دیکھتے ہیں تو کوئی سیمرغ' نہ سیمرغ کا نام ونشان نظر آتا ہے تو

جمله گفتند آمدیم این جایگاه

تابود سیمرغ مارا پادشاه

ما همه سرگشتگان درگه یم

بے دلان و بے قراران رهیم

مدتی شد تا در این راه آمدیم

از هزاران سی به درگاه آمدیم

بر امید بادشاه از راه دور

تا بود مارا درین حضرت حضور

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۱۸۸)

سب نے کہا کہ ہم تو اپنے بادشاہ سیمرغ کی طلب میں یہاں تک آئے ہیں۔ ہم سب اس کی درگاہ کے دیوانے اور بے قرار ہیں۔ ایک مدت کے طویل سفر کے بعد ہزاروں میں سی صرف تیس پرندے یہاں پہنچے ہیں تاکہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوں ۔

مزید انتظار کا فائدہ نہیں تھا سیمرغ کا نام ونشان بھی نہیں ملا پرندوں پر مایوسی اور تھکن کی حالت میں نیند کا سا غلبہ ہوا۔

اور اسی حالت میں آواز آئی کہ تم ''سی مرغ'' ہی در اصل سی مرغ ہو۔وہ خوشی سے مچل گئے اور ایک دوسرے پر نگاہ ڈالی

چون نگه کردند آن سی مرغ زود

بے شك این سی مرغ آن سیمرغ بود

در تحیر جمله سرگردان شدند

باز از نوعی دگر حیران شدند

خویش را دیدند سیمرغ تمام

بود خود سیمرغ' سی مرغ تمام

(منطق الطیر'۱۳۶۹'۱۹۲)

تب کیا دیکھا کہ وہ ''سی مرغ'' ہی در اصل ''سیمرغ'' ہیں۔تمام ایک نئی حیرت میں مبتلا ہوگئے۔یعنی ان کو از سرنو ایک ایسی تشکیل ملی جس میں اب وہ خود ہی سیمرغ بن کر ایک تھے۔

اس قصے کو یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ہر ایک وادی میں بلا کے معنی خیز اشعار ہیں' جن کیلئے ایک مقالے کا دامن انتہائی تنگ ہے۔ اور منطق الطیر شاید دو تہائی حصہ دیگر ایسی حکایات پر مشتمل ہے جن کا براہ راست کوئی تعلق اس قصے سے نہیں بنتا۔ ہر ایک جداگانہ دریائے معنی لئے ہے جن کی فہم کیلئے اور طہور کے قصے سے بھی پوری طرح بہرورہ ہونے کیلئے ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں سوا اس کے کہ ''منطق الطیر'' کا مطالعہ کریں۔ یہاں ایک عام حکایت بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

گفت' چون آتش درو افروختند

جسم آن حلاج کلی سوختند

عاشقی آمد مگر چوبی بدست

بر سر آن مشت خاکستر نشست

پس زبان بگشاد همچون آتشی

باز می شورید خاکستر خوشی

وانگهی می گفت بر گوید راست

زانکه می زد او اناالحق او کجاست؟

آنچه گفتی و آنچه بشنیدی همه

وانــچـــه دانستــی تـــو و دیـدی هـمــه
آن هــمـــه جــز اول افســانـــه نیســت
مـحـو شو، چون جای این ویرانه نیست
اصــل بـــایـد، اصـل مستـغـنـی و پـــاك
گـــر بـود فــرع و اگـر نبود، چـه بـاك؟!
هســـت خـــورشیـد حـقیـقــی بـــردوام
گـو، نـــه ذره مـــان، نـــه سـایـه، والسلام

(منطق الطیر، ۱۳۶۹، ۲۰۹)

کتابیات

۱۔ عطار، منطق الطیر، بہ اہتمام: دکتر احمد رنجبر، انتشارات اساطیر تہران، چاپ دوم، زمستان ۱۳۶۹۔ شمسی
۲۔ عطار، منطق الطیر، با مقدمہ و تصحیح، حمید حمید، نشر طلوع، تہران بونت چاپ سوم، تابستان ۱۳۸۱ شمسی۔
۳۔ زرکوب، با کاروان حلہ، دکتر عبدالحسین، انتشارات علمی، تہران، چاپ نہم، پائیز، ۱۳۷۴ شمسی
۴۔ شعر صوفیانہ فارسی، یوھانس دوبروین، ترجمہ دکتر محد الدین کیوانی، نشر مرکز، تہران، چاپ اول ۱۳۷۸ شمسی
۵۔ رمز و داستانہای رمزی در ادب فارسی، دکتر تقی پور نامداریان، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، تہران چاپ چہارم ۱۳۷۵ شمسی
۶۔ اشرف زادہ، رہنگ کاربرد آیات و روایات در اشعار عطار نیشابوری، تالیف: دکتر رضا اشرف زادہ، ادارہ کل فرہنگ ارشاد اسلامی، خراسان، چاپ اول، زمستان ۱۳۷۳ شمسی